© rasailojaraid.com

نظرات

اُردُو کے معاملات و مسائل

(۳)

مرکز میں ترقی اُردُو بورڈ اور اتر پردیش میں اُردُو اکاڈمی، اُردُو زبان و ادب کو فروغ دینے اور علمی و ادبی حیثیت سے ان کو ترقی دینے کے لیے قایم ہوئے ہیں، اس سے قطع نظر کہ ان اداروں نے اب تک کیا کام کیا ہے؟ اور جن حضرات پر یہ ادارے مشتمل ہیں۔ ان کی گزشتہ زندگی کی بے علمی اور آرام طلبی کے پیشِ نظر ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے؟ حکومت کا یہ اقدام فی نفسہٖ مستحسن ہے۔ اسی طرح پچھلے دنوں حکومت کی طرف سے اردو کی ترقی اور اس کی مشکلات پر غور و خوض کرنے کی غرض سے ایک کمیٹی کا تقرر عمل میں آیا ہے۔ جس کے ارکان سولہ افراد ہیں یہ آٹھ یا سات سرکاری اور باقی غیر سرکاری۔ اس کمیٹی نے ادب، صحافت اور تعلیم وغیرہ سے متعلق چار ذیلی کمیٹیاں بنائی ہیں۔ جو اپنی سفارشات مرتب کریں گی۔ اس کمیٹی نے جو وزیر مملکت شری اندر کمار گجرال کی صدارت میں ہونے کے باعث گجرال کمیٹی کے نام سے معروف ہے اردو کے ارباب فکر و نظر سے وہ تجاویز طلب کی ہیں جو ان کے نزدیک اردو کی ترقی کے لیے ضروری ہیں پہلے ان سفارشات اور تجاویز کے پہنچنے کی آخری تاریخ ۱۵ر جون تھی۔ ان سطور کی تحریر کے وقت توسیع کرکے ۱۵ر جولائی تک اسے بڑھا دیا گیا ہے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے "الغریق یتشبث بکل حشیش" اُردُو میں اس کا ٹھیٹ ترجمہ: ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی اسی طرح مشہور ہے۔ اسی مثل کے مطابق مرکزی حکومت یا ریاستی حکومت کی طرف سے اس قسم کا جو اقدام بھی ہو اس کے ساتھ اردو والوں کے لیے خوش اعتقادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنا چاہیے۔ لیکن اس کرم گستری پر اُردو کہہ سکتی ہے ؎

چلے ہیں بہرِ پرستش وہ لیں مرگ تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

حقیقت یہ ہے کہ جب تک اردو زبان قانونی حیثیت سے علاقائی زبان نہیں بنتی اور اس بنا پر جب تک اردو والوں کا احساس کمتری نہیں دور ہوتا اور ان کے ساتھ دفتری اور حکومتی معاملات میں جو امتیاز اور تعصب برتا جاتا ہے وہ ختم نہیں ہوتا۔ اس وقت تک آپ کروروں روپیہ خرچ کر کے سینکڑوں کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرڈالیے۔ بڑے بڑے لغات تیار کر دیجیے۔ اُردو کے مصنفوں اور ادیبوں پر اپنی نوازشات کی بھرمار کر دیجیے۔ ان سب کا یہ فائدہ ضرور ہوگا کہ اردو زبان کے لٹریچر میں وسعت پیدا ہوگی۔ اور اس کے ذخیرۂ ادبیات میں اضافہ ہوگا۔ لیکن جب تک خود زبان کی جڑیں اس ملک میں مضبوط نہ ہوں گی اور ایک چھوٹے سے علاقہ سے بھی محروم ہونے کے باعث اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی رہے گی۔ اردو زبان میں کتابوں کے اس انبار کی حیثیت وہی ہوگی جو عربی، فارسی یا فرنچ اور جرمنی میں کتابوں کی ہو سکتی ہے یہی وہ احساس ہے جس کے باعث حکومت کی طرف سے بلند بانگ دعاوی کے باوجود ان اداروں کا ملک میں خاطر خواہ خیر مقدم نہیں ہو رہا ہے اور اردو کے حلقوں میں اس نوع کی خبروں کو لوگ سنتے بھی ہیں تو اس طرح گویا ایک شخص نے ان کی تمام مال و متاع چھین لی ہے اور اب اس کے ضمیر نے ملامت کی تو تلافی مافات کے لیے اسے کچھ دلاسا دے رہا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ ادارے وہ خواب آور گولیاں ہیں جن کے ذریعے حکومت اردو کے اصل معاملہ کی طرف سے لوگوں کو غافل کرنا چاہتی ہے۔ پروفیسر مسعود حسین خاں صدر شعبۂ لسانیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی انجمن ترقی اردو علی گڑھ کے آرگن ہماری زبان میں لکھتے ہیں۔

"اردو کا مسئلہ کمیٹیوں، اکیڈمیوں اور بورڈوں کے قیام سے حل نہیں ہوگا۔ یہ سب لعل تسلیاں ہیں۔ حکومتِ ہند اردو کے بارے میں کوئی پروگرام نہ رکھتی اور نہ غالباً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھنا چاہتی ہے۔ اُردو کا بنیادی مسئلہ ایک اقلیت کی زبان کی سرکاری حیثیت کے تعین اور اس کے نظامِ تعلیم کی تنظیم کا مسئلہ ہے۔" اس اصل مسئلہ کی طرف سے پہلو تہی برتنے کے باعث اردو کی حالت کس درجہ ناگفتہ بہ ہوگئی ہے اس کی دردبھری داستان موصوف کی ہی زبان سے سنیے۔ لکھتے ہیں: "پچھلے چند سال میں اردو کا مسئلہ ایک بحرانی دور میں داخل ہو چکا ہے۔ آزادی کے پچیس برس اردو کے لیے ستم قاتل ثابت ہوئے ہیں۔ اس کا تعلیمی نظام درہم برہم ہو چکا ہے اس کی نئی نسل کی زبان بدل چکی ہے یا بدل رہی ہے۔ اس عبوری دور میں اردو گھرانہ کا بچہ اچھی طرح نہ ہندی سے واقف ہے نہ تلگو سے اور نہ انگریزی سے۔ وہ اپنی قوتِ اظہار کھو چکا ہے اور نتیجۃً ذہنی صلاحیتیں بھی موجودہ نسل ایک گونگی بہری نسل ہے، چالیس سال سے اوپر کی نسل اب تک اردو کا علم بلند کیے ہوئے ہے۔ لیکن ان کے بھی بہت سے کفن بردوش، زیرکفن ہونے جارہے ہیں کچھ مذہب میں پناہ تلاش کر رہے ہیں۔ شاعر ہے تو اسے سامع نہیں ملتا۔ ادیب وناشر ہے تو اسے قاری نہیں ملتا۔ طالب علم کو کتاب نہیں ملتی۔ قلم کار کو انعام مل جاتا ہے خریدار نہیں ملتا۔"

پروفیسر مسعود حسین خاں نے اردو کی موجودہ زبوں حالی اور ابتری کی بڑی بلیغ عکاسی کی ہے اس تیرہ و تاریک ماحول میں اُردو کا دم گھٹا جارہا ہے اور وہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی زبان سے کہہ رہی ہے ؎

اے دل یہ سُلگنا کیا، جلنا ہے تو جل بھی اُٹھ
دم گھٹنے لگا ظالم کیا دھونی رمائی ہے

تنگ آمد بجنگ آمد کے مطابق موصوف اپنے مضمون کا خاتمہ ان لفظوں پر کرتے ہیں۔

"اہل اُردو کے سامنے اب دو ہی راستے ہیں۔ تحریک یا تخریب! بہر صورت اپنی نئی پود کے دہن میں ایک نہ ایک زبان دینا ہے۔ اسے زیادہ عرصہ تک گونگا بہرہ نہیں رکھا جاسکتا۔ جلد فیصلہ کیجیے یہ یا وہ؟ ع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت برہنہ گفتن ست من بہ کنایہ گفتم

(ہماری زبان مورخہ ۲۲ر مئی ۱۹۷۲ء)

اس مقالہ کے ایک ماہ بعد ہماری زبان (مورخہ ۲۲ر جون ۱۹۷۲ء) میں ہی علیگڑھ مسلم یونیورسٹی اور اُردو کے زیرِ عنوان فاضل موصوف نے جو گرانقدر مضمون لکھا ہے اس میں پھر لکھتے ہیں۔

"یو۔ پی اور بہار کی ریاستی سرکاروں کی اردو نوازی پالیسی کی بدولت اردو نظامِ تعلیم کا جو حشران ریاستوں میں ہوا ہے اس سے ہر اردو گھرانہ واقف اور متاثر ہے پچھلے پچیس سال میں اُردو کے لاکھوں بیٹوں اور بیٹیوں کو ان کی مادری زبان سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اُردو والوں کی کوئی ایسی سیاسی تنظیم بھی نہیں جس کا دباؤ پڑ سکے اور دوم درجہ کے سیاست داں صرف سیاست کی زبان سمجھتے ہیں۔ قومی نقطۂ نظر یا مفاد ان کے اُفقِ ذہن سے کوسوں دور ہے چنانچہ اردو کی ترقی کے نام پر وہ سب کچھ کیا جارہا ہے جو نہ کرنے سے عبارت ہے۔ اس کے اعلیٰ تعلیمی اداروں کی تنظیم سے قبل اس میں مختلف علوم پر کتابیں لکھوانے کے لیے ایک ایسا بورڈ قائم کر دیا گیا ہے جسے نہ اپنی حدِ اکبر کی خبر ہے اور نہ حدِ اصغر کی جب اردو میں یونیورسٹی سطح کی کتابوں کی تیاری لاحاصلی کا احساس ہوتا ہے تو اپنے حدودِ تفویض کے برا عظم منظور شدہ رقم کا معتدبہ حصہ بچوں اور بالغوں کی کتب کے لیے مخصوص کر دیا جاتا ہے۔ اکیڈمیاں بنائی جاتی ہیں۔ جن کی کارگزاری انعامات عطا کرنے اور کتابیں بانٹنے تک محدود رہتی ہے۔ کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں جن کی سعی لاحاصل چند ایسی سفارشات کی شکل اختیار کرتی ہے۔ جن پر غور کرنا مقصود نہیں ہوتا۔"

ان سب لاحاصل اور بے نتیجہ اردو نوازیوں کے بجائے جو اصل کام کرنے کا ہے اس کے متعلق موصوف لکھتے ہیں:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اردو کے سلسلہ میں نہیں کام ہوتا تو یہ نہیں ہوتا کہ اس کس مپرسی کی قانونی اور سرکاری حیثیت کا تعین دستور کی دفعہ ۳۴۷ کے مطابق صدر جمہوریہ کے ایک اعلامیہ کے ذریعہ کردیا جائے اس اعلامیہ کے بعد ہی ریاستی حکومتیں اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں گی اور انہیں قانونی طور پر اس کے نظامِ تعلیم کی تشکیل کرنا پڑے گی۔ وزارتِ تعلیمات میں اردو کے صیغے کھولنا پڑیں گے اور اردو کے اداروں کو درسی کتابوں اور اساتذوں کی فراہمی کے احکامات جاری کرنا ہوں گے:

اس وقیع اور حقیقت افروز مضمون کا آخری پیراگراف اور سن لیجیے لکھتے ہیں:۔

"بدقسمتی سے اس وقت ہمارے ملک کی سیاست اور معیشت محض "نعروں" اور "لہروں" کے سہارے چل رہی ہے۔ میرے خیال میں ہماری جمہوریت کے لیے سب سے خطرناک رجحان آمریت کی وہ زریں لہر ہے جو چور دروازوں سے داخل ہو کر ہم سے ہمارے حقِ احتجاج کو چھین لینا چاہتی ہے اور اپنی سہولت کے مطابق مختلف ٹھپے لگا کر ہمارے مستند افراد کو۔ اداروں کو اور تحریکوں کو مذموم (؟) کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ جی دھڑکتا ہے کہ کسی دن اہلِ اردو کی مانگوں کو بھی لسانی ظلمت پسندی سے موسوم نہ کردیا جائے۔

"دروغ راست نمائے کہ داستی داری"

پروفیسر مسعود حسین خاں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ایک ایک لفظ حقیقت و واقعیت کا آئینہ دار ہے۔ لیکن ہم کو جس امر کا بے حد افسوس اور قلق ہے وہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں سارا الزام حکومت کے سر عائد کردیا جاتا ہے اور اردو کے نقیب کبھی ایک لمحہ کے لیے گریبان میں منہ ڈال کر یہ نہیں دیکھتے کہ اردو کو اس کا طبعی حق دلانے کے لیے انھیں جو کرنا چاہیے تھا۔ وہ انھوں نے کیا یا نہیں؟ مرکزی وزیر جناب فخرالدین احمد صاحب نے چند ماہ ہوئے، دہلی میں جمعیۃ علمائے ہند کی سالانہ کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے بالکل صحیح کہا تھا کہ ہاں بے شک حکومت اب تک اردو کے لیے وہ نہیں کرسکی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ آپ لوگوں نے بھی اردو کے واسطے وہ نہیں کیا جو آپ کا فرض تھا۔

وزیر موصوف نے اس کی تشریح تو نہیں کی کہ اردو کے لیے کیا کرنا چاہیے تھا۔ لیکن ہم کو اس میں ذرا شبہ نہیں ہے کہ اگر آج اردو تحریک زندہ ہوتی۔ فعال اور متحرک ہوتی اور اس کو اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے گزشتہ ربع صدی میں جو کچھ کرنا چاہیے تھا وہ کرتی تو آج اردو کا معاملہ صرف مسلمانوں کا نہ ہوتا۔ بلکہ ایک نہایت اہم قومی اور ملکی معاملہ ہوتا۔ یہ صرف ایک زبان کا مسئلہ نہ ہوتا۔ بلکہ ایک قومی تہذیب کا مسئلہ ہوتا اور قرینۂ غالب یہ ہے کہ چونکہ آج مرکزی حکومت جس درجہ مستحکم اور مضبوط ہے اور اس کے اقتدار اور سطوت کا یہ عالم ہے کہ نہایت سخت سے سخت اقدام کرتی ہے اور اس میں کامیاب رہتی ہے۔ رائے عامہ اس کا ساتھ دیتی ہے۔ جن سنگھ السی دو چار جماعتیں اس کی مخالفت کرتی ہیں۔ لیکن ملک میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور آخر کار کچھ دن شور و غل مچا کر وہ خاموش ہو کر بیٹھ جاتی ہیں۔ اس بنا پر اگر ملک میں اردو تحریک نے اردو کے لیے قومی سطح پر ایک مناسب فضا پیدا کر دی ہوتی تو آج حکومت کو اردو کا حقِ طبعی دینے پر رضامند کر لینے میں زیادہ دشواری نہ ہوتی۔ حکومت کی مخالفت ہی جن لوگوں کا دین اور ایمان ہے وہ بے شبہ چیختے چلاتے اور شور مچاتے لیکن حکومت کو ان کی پروا نہ ہوتی اور وہ یہ اقدام کر گزرتی۔ اگر خدا نخواستہ موجودہ حکومت کے دورِ اقتدار میں بھی اردو کو اس کا حق نہیں ملا تو پھر کبھی ملے گا بھی یا نہیں؟ اس کی پیش گوئی کوئی نہیں کر سکتا۔

اردو کے نام پر چھوٹی بڑی بہت سی تحریکیں پیدا ہوئیں اور ختم ہو گئیں لیکن اردو تحریک کی سب سے بڑی ذمہ داری انجمن ترقی اردو (کل ہند) کے سر عائد ہوتی ہے۔ یہ انجمن جو سنہ ۱۹۰۶ء میں قائم کی گئی تھی، درحقیقت اردو زبان میں علمی اور ادبی کتابوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشاعت کا ایک ادارہ بھی تھی اور ساتھ ہی —— بلکہ اس سے زیادہ —— اردو تحریک کا ایک مرکز بھی، دنیا جانتی ہے۔ مولوی عبدالحق نے اپنی شب و روز کی مصروفیت ایثار و قربانی، محنت و مشقت اور جرأت و جسارت سے اس انجمن کے دونوں مقاصد کی کس طرح تکمیل کی اور اسے کس طرح تحت الثریٰ سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا۔ تقسیم کے بعد اردو کے مسائل و معاملات نہایت پیچیدہ اور ابتر ہوگئے تھے اور اب ضرورت تھی کہ "نوا را تیز تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی" کے مطابق انجمن کو پھر کوئی اور عبدالحق ملتا جو انجمن کو پہلے سے زیادہ متحرک اور فعال بناتا۔ بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوا۔ تقسیم کے بعد بھی انجمن نے اپنا علمی اور ادبی وقار قائم رکھا چنانچہ اس کی طرف سے اچھی اچھی کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں۔ اگرچہ ان میں بھی صحت کا اہتمام خاطر خواہ نہیں ہوتا اور کتابت و طباعت کی افسوسناک غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ اس کا پندرہ روزہ آرگن اور سہ ماہی "اردو ادب" بھی معیاری ہیں لیکن انجمن اردو تحریک کے میدان میں کچھ نہ کرسکی۔ کسی تحریک کو چلانے کے لیے ابتدائی شرط یہ ہے کہ اس کی شاخیں ہوں اور مرکز کے ساتھ ان کا رابطہ قائم ہو یہاں یہ عالم ہے کہ متعدد مقامات پر تو اب تک کوئی شاخ ہی قائم نہیں اور جہاں تھوڑی بہت کچھ شاخیں ہیں بھی تو اول تو ان کو مرکز کے ساتھ کوئی خاص ربط نہیں ہے اور پھر حیدرآباد وغیرہ دو چار جگہوں کی شاخوں کو مستثنیٰ کر کے کوئی ایک شاخ بھی سرگرم عمل اور پرجوش نہیں ہے، معلوم ہوتا ہے سب پر پھپوندی لگی ہوئی ہے اور ظاہر ہے جب مرکز ہی بیجان اور آسودۂ عمل ہو تو شاخوں سے کیا توقع ہوسکتی ہے۔ برسوں سے انجمن کی سالانہ کانفرنس بھی نہیں ہوئی ہے اردو تحریک کا بڑا کام یہ ہونا چاہیے تھا کہ اردو کے مسئلہ کو (صرف مسلمانوں کا نہیں) ایک قومی مسئلہ کی طرح زیادہ سے زیادہ قوت کے ساتھ پیش کیا جاتا اور اس کے لیے ضروری تھا کہ کانگریس کے علاوہ ملک کی دوسری سیاسی جماعتوں سے بھی ربط قائم ہوتا اور اسطرح

© rasailojaraid.com